16

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تربیت و اصلاح اور اشاعتِ دین کے لیے مبعوث ہوئے تھے

اِن اغراض کو ہمیشہ مدنظر رکھو اور جائزہ لیتے رہو کہ تم کس حد تک انہیں پورا کر رہے ہو

(فرمودہ 10 جون 1949ء بمقام محمد آباد اسٹیٹ سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج میں اختصار کے ساتھ یہاں کی جماعت کو اُن فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد ہیں۔ دنیا میں خدا تعالیٰ نے جب بھی اپنا کوئی مامور مبعوث کیا ہے اس کی بعثت کی بڑی غرض یہ ہوا کرتی ہے کہ وہ ایمان لانے والوں کے اعتقادات اور اعمال کی اصلاح کرے اور آئندہ اپنی جماعت کو وسیع کرتے ہوئے اسے تمام دنیا میں پھیلائے۔ یعنی اس کے کام کا ایک حصہ اگر تربیت ہوتا ہے تو دوسرا حصہ تبلیغ ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی نئے مامور کی بیعت کرتا ہے تو درحقیقت وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں ایک نیا آدمی بن جاؤں گا۔ یوں تو پہلے بھی وہ کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے، پہلے بھی وہ کسی نہ کسی جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ سمجھتا ہے لیکن اگر وہ پہلی جماعت کو چھوڑتا ہے یا پہلے طریق کو ترک کرکے ایک نئے مدعی کی بیعت کر لیتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اندر ایک نیا تغیر پیدا کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ نیا تغیر بعض اوقات اعتقادات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بعض اوقات اعمال کے ساتھ

تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً اس زمانہ کے مامور من اللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمان کہلانے والوں کے ساتھ ان کے کئی قسم کے عقیدوں میں اختلاف کیا۔ مثلاً توحید جو مذہب کی جان ہے۔ آپ نے اس کی تشریح میں موجودہ مسلمانوں سے اختلاف کیا۔ آپ کی بعثت سے پہلے مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ صرف منہ سے لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہہ دینے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ ہم موحّد ہو گئے۔ خواہ اپنے اعمال کے لحاظ سے یا جزوی عقیدوں میں وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ مثلاً وہ منہ سے لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے تھے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ دو ہزار سال سے آسمان پر بیٹھے ہیں اور آخری زمانہ میں وہ دنیا کی اصلاح کے لیے نازل ہوں گے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام پرندے پیدا کیا کرتے تھے جو صرف خدا تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو علمِ غیب حاصل تھا اور یہ بھی خدا تعالیٰ کی ہی خصوصیت ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مُردے زندہ کیا کرتے تھے جو صرف خدا تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ پھر ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مُردوں کو اس دنیا میں واپس لاتے تھے جو خدا تعالیٰ کی بھی سنت نہیں۔ خدا تعالیٰ ایسا کر تو سکتا ہے لیکن اس کا قانون ہے کہ وہ ایسا کرتا نہیں۔ احادیث میں بھی آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الہاماً یہ بات بتائی کہ ہم مُردوں کو اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں کیا کرتے۔ 1

غرض مسلمانوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف بعض ایسی باتیں منسوب کر دی تھیں جو خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے انسان نہیں کر سکتا۔ اور بعض باتیں ایسی منسوب کر دی تھیں جو خدا تعالیٰ بھی اس دنیا میں نہیں کرتا۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام مُردوں کو اس دنیا میں واپس لے آتے تھے حالانکہ یہ کام خدا تعالیٰ بھی نہیں کرتا۔ گویا یہ خصوصیت حضرت مسیح علیہ السلام میں خدا تعالیٰ سے بھی زیادہ پائی جاتی تھی۔ یا مثلاً وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب منہ سے لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہہ دیا جائے تو اس کے بعد خواہ کچھ کر لیا جائے اس سے توحید میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گویا لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو دعائے گنج العرش بنا لیا گیا تھا۔ دعائے گنج العرش کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص اُسے ایک دفعہ پڑھ لے اُسے تمام پچھلے نبیوں کی نیکیاں مل جاتی ہیں اور سارے گناہ

اس کے معاف ہو جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کوئی چور تھا۔ وہ چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ بادشاہ نے اس کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ لوگ اُسے مقتل میں لے گئے، جلّاد نے تلوار ماری لیکن اسے پتا بھی نہ لگا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید تلوار ناقص ہے تلوار تبدیل کی گئی لیکن پھر بھی اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید جلّاد ناقص ہے چنانچہ دوسرا آدمی لایا گیا لیکن اس کی گردن پر پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور کہا بادشاہ سلامت! یہ عجیب آدمی ہے اس پر تلوار کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے کہا اچھا اسے پہاڑ پر سے گرا دو۔ وہ اسے پہاڑ پر لے گئے اور اسے اوپر سے نیچے گرا دیا۔ لیکن اُس وقت یوں معلوم ہوا جیسے سہارا دے کر اسے کسی شخص نے اٹھا لیا ہو۔ لوگ پھر بادشاہ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یہ بڑا عجیب آدمی ہے اس پر پہاڑ سے گرانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ بادشاہ نے کہا اچھا! اسے آگ میں جلا دو۔ اس پر اسے آگ میں ڈالا گیا لیکن آگ نے بھی اُس پر کوئی اثر نہ کیا۔ وہ آگ میں بالکل ایسے ہی پھرتا رہا جیسے کوئی پھولوں سے کھیلتا ہو۔ بادشاہ نے کہا اچھا اس کے جسم کے ساتھ ایک بڑا پتھر باندھ کر اسے غرق کر دو۔ اس پر ایک بھاری پتھر کے ساتھ اسے باندھ کر سمندر میں گرا دیا گیا لیکن وہ کارک کی مانند پانی پر تیرتا رہا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ یہ کوئی بڑا بزرگ ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے دربار میں بُلایا اور کہا آپ مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کی ہتک کی ہے آپ تو کوئی بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا بادشاہ سلامت! میں تو ایک چور ہوں بزرگ نہیں ہوں۔ بادشاہ نے کہا نہیں تم بڑے بزرگ ہو۔ تم سے جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں یہ تو کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے بھی ظاہر نہیں ہوئے۔ اس شخص نے کہا نہیں میں چور ہوں۔ لیکن میں روز دعائے گنج العرش پڑھا کرتا ہوں اس لیے آپ کی سزاؤں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ غرض جس طرح لوگوں نے دعائے گنج العرش کو ایک عجوبہ بنا لیا تھا اور کئی قسم کے جھوٹ اس کی طرف منسوب کر دیئے تھے اُسی طرح مسلمانوں نے کلمہ طیبہ کو بھی ایک عجوبہ بنا لیا تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایک دفعہ کلمہ منہ سے پڑھ لیا تو پھر خواہ کوئی مشرک بن جائے کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ایک دفعہ

منہ سے آپ کی رسالت کا اقرار کرلیا جائے تو یہ مسلمان بننے کے لیے کافی ہے۔ خواہ زندگی بھر نہ نمازیں پڑھی جائیں، نہ روزے رکھے جائیں، نہ حج کیا جائے، نہ زکوٰۃ دی جائے اور نہ اسلام کے دوسرے مسائل پر عمل کیا جائے۔ گویا مسلمان کلمہ رسالت کے بھی اُلٹے معنے کرتے تھے اور کلمہ توحید کے بھی اُلٹے معنے کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سب باتوں کو غلط قرار دیا اور بتایا کہ توحید کے معنے صرف کلمہ توحید پڑھ لینے کے نہیں بلکہ اس کے معنے ایمان اور یقین کے اظہار کے ہیں۔ اگر ایمان اور یقین ہے تو کلمہ بھی ہے لیکن اگر ایمان اور یقین نہیں تو صرف کلمہ پڑھ لینے سے کیا بن جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ''آگ لگ گئی ہے'' تو اگر واقعی آگ موجود ہے تو یہ فقرہ درست ہے لیکن اگر آگ لگی ہی نہیں تو یہ محض جھوٹ ہوگا۔ یا مثلاً تم کہتے ہو ہم نے پانی پی لیا ہے اب اگر تم نے واقع میں پانی پی لیا ہے اور تمہاری پیاس بُجھ گئی ہے تو یہ ایک حقیقت کا اظہار ہے لیکن اگر تم ابھی پیاسے ہی ہو تو صرف ''پانی پی لیا ہے'' کہنے سے کیا بنتا ہے۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حقیقی توحید سکھائی اور بتایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق اس قسم کی جتنی باتیں مشہور ہیں سب جھوٹ ہیں، اور اگر یہ باتیں سچی ہیں تو پھر خداتعالیٰ کی وحدانیت پر حملہ ہوتا ہے۔ غرض آپ کی بعثت سے قبل جہاں بعض ایسی باتیں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی گئی تھیں جو صرف خداتعالیٰ میں ہی پائی جاتی ہیں وہاں بعض ایسی باتیں بھی آپ کی طرف منسوب کر دی گئی تھیں جو خداتعالیٰ میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح اَور بھی کئی نقائص مسلمانوں میں پیدا ہو گئے تھے جنہیں آپ نے دور کیا۔ مثلاً دعا کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں، تقدیر کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں، بعث بعد الموت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں، فرشتوں کے متعلق بعض غلط خیالات پھیلے ہوئے تھے، اعمال میں کئی قسم کی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان سب کو دُور کیا۔ مثلاً نماز کو ہی لے لو۔ نماز ادا کرنے کا جو طریق اختیار کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ سجدہ میں گئے کھٹ سے سر زمین پر لگا اور جیسے گیند زمین سے ٹکرا کر اوپر آ جاتا ہے اُسی طرح انہوں نے زمین سے سر اٹھا لیا۔ پھر قعدہ بَیْنَ السجدتین میں بڑی کوتاہی ہوتی تھی، رکوع کے بعد قیام میں بڑی کوتاہی سے کام لیا جاتا تھا۔ اس قسم کی غلط فہمیوں اور کوتاہیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُور کر کے اعمال

اور عقائد میں عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ اور جب کوئی شخص آپ پر ایمان لاتا ہے تو وہ گویا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کے عقائد بھی درست ہیں اور اس کے اعمال بھی درست ہیں۔

پس اگر تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر واقع میں اپنے عقائد اور اعمال کو درست کر لیا ہے تو تم سچ مُچ احمدی ہو گئے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارے گناہ پہلے گناہوں سے یقیناً بڑھ گئے ہیں۔ تمہارے گناہ اگر پہلے دس تھے تو اَب وہ گیارہ ہو گئے ہیں یا پہلے گیارہ تھے تو اَب بارہ ہو گئے ہیں۔ فرض کرو ایک شخص حج نہیں کرتا، وہ نمازیں نہیں پڑھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا، انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیتا تو یہ پانچ گناہ وہ پہلے کر رہا تھا۔ اب اگر اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی ہے لیکن اس نے وہ کام نہیں کیے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کرنے کے لیے بتائے تھے اور اس نے اُن باتوں کو نہیں مانا جو اسلام نے بتائی تھیں تو یہ بات اس کے گناہوں کو کم کرنے والی نہیں ہوگی بلکہ زیادہ کرنے والی ہوگی۔ کیونکہ پہلے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا قائل نہیں تھا لیکن اب آپ پر ایمان لانے کے باوجود اس نے اسلام کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کا ایک حصہ جماعت کی تربیت تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر اپنے اندر کوئی تغیر پیدا کیا ہے؟ اگر تم نے ایمان لانے کے بعد اپنے اندر ایک نمایاں فرق پیدا کر لیا ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی احکام کی پابندی تم نے کر لی ہے تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حصہ تم نے پورا کر لیا۔ لیکن اگر تم نے اپنے اندر کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں کی تو تمہارے پہلے پانچ گناہ بھی بخشے نہیں گئے بلکہ ان میں زیادتی ہو گئی ہے اور اب وہ پانچ کی بجائے چھ ہو گئے ہیں۔ اس طرح تمہاری حالت بجائے بہتر ہونے کے اَور بھی بدتر ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کا دوسرا حصہ تبلیغ تھا۔ جو شخص آپ پر ایمان لاتا ہے اور پھر دنیا میں اسلام کی اشاعت کی کوشش نہیں کرتا وہ آپ کا صحیح پیرو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فرض کرو جماعت کا ہر شخص ولی اللہ بن جاتا ہے، جماعت کا ہر شخص صاحبِ کمال بن جاتا ہے لیکن وہ تبلیغ نہیں کرتا تو ہم دوسرے لوگوں کو احمدیت میں کس طرح داخل کر سکتے ہیں؟ دنیا

کی دواَرب آبادی ہے، دواَرب کا سینکڑواں حصہ دو کروڑ ہوتا ہے۔ دو کروڑ کا سینکڑواں حصہ دو لاکھ ہوتا ہے۔ فرض کرو دنیا میں دو لاکھ احمدی ہوں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ دس ہزار آدمیوں میں سے صرف ایک شخص احمدی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ جیسے دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر کھانڈ ڈال دی جائے۔ اب کیا دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر کھانڈ ڈالنے سے شربت بن جائے گا؟ یا کیا دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر گوشت ڈالنے سے شوربہ بن جائے گا؟ یا کیا دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر آٹا ڈالنے سے روٹی بن سکتی ہے؟ دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر آٹا ڈالنے سے کچھ بھی نہیں بنے گا۔ دس ہزار سیر پانی میں ایک سیر آٹے کا تو پتا بھی نہیں لگے گا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ دوسرے رنگ میں یوں سمجھ لو کہ چار سیر کا ایک گیلن ہوتا ہے اور دس ہزار سیر کے اڑھائی ہزار گیلن بنتے ہیں اور اڑھائی ہزار گیلن کے چھ سَو عام گھی یا تیل والے پیپے بنتے ہیں۔ اب اگر گھی یا تیل کے عام پیپوں کے برابر چھ سَو پیپے پانی ہو اور اس میں ایک سیر آٹا ڈال دیا جائے تو اس کا کیا پتا لگے گا۔ ہماری جماعت اور دوسرے لوگوں میں یہی نسبت ہے۔ چھ سَو کنستر پانی میں اگر ایک سیر شکر ڈال دی جائے تو جو نسبت پانی اور شکر میں ہوگی وہی نسبت ہماری جماعت اور دوسرے لوگوں میں ہے۔ فرض کرو چھ سَو پیپوں کے برابر پانی میں ایک سیر آٹا ڈال دیا جائے تو کیا اس سے روٹی بن سکتی ہے؟ روٹی پکنی تو کجا اس پانی کا تو رنگ بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ اِسی طرح اگر ہمارے سارے لوگ اولیاء اللہ بن جائیں، سارے لوگ بے عیب بن جائیں تو اس سے باقی دنیا کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ دنیا میں ایک عظیم الشان تغیر تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب تم اپنے اندر کثرت پیدا کرو۔ کثرت کے بغیر کبھی اتنی طاقت پیدا نہیں ہوسکتی جس کے ساتھ ہم شیطان کا مقابلہ کرسکیں۔

پس سب سے پہلے اپنے عقائد اور اعمال کو درست کرنا ضروری ہے اور اس کے بعد اصلاح و ارشاد کے کام پر زور دینا چاہیے تا جماعت کثرت سے دنیا میں پھیل جائے اور دوسروں پر اثر پیدا کرسکے۔ ایک گلاس پانی میں اگر چار پانچ چمچے کھانڈ ڈال دی جائے تب اثر ہوتا ہے لیکن دنیا میں غلبہ شربت والی کھانڈ جیسی زیادتی سے نہیں ہوتا بلکہ اُسی وقت ہوگا جب پانی میں آٹے جیسی کثرت حاصل ہو جائے۔ اگر ہم نے ترقی کرنی ہے تو ہمیں پانی میں آٹے جیسی کثرت حاصل کرنی ہوگی۔ ویسے تو ایک مچھلی بھی تالاب کو گندا کرسکتی ہے۔ اگر ہم گندے ہوں گے تو یہ یقینی بات ہے کہ

دنیا میں خرابی پیدا ہو جائے گی لیکن نیکی کے لحاظ سے ہم ترقی اُسی وقت کر سکتے ہیں جب کثرت پیدا ہو جائے۔ غرض ہمیں اصلاح وارشاد اور تعلیم وتربیت کے کام کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔

میں دیکھتا ہوں کہ جماعت کی توجہ اس طرف بہت کم ہے۔ اس کا بھاری ثبوت یہ ہے کہ سندھ میں دس دس بارہ بارہ سال سے رہنے والوں نے ابھی تک سندھی زبان بھی نہیں سیکھی۔ کسی ملک میں جا کر بس جانے والے پر اُس ملک کا سب سے پہلا حق یہ ہوتا ہے کہ وہ اس ملک کی زبان سیکھے۔ اگر ہم اس ملک کی زبان نہیں سیکھتے تو ہم اس کے رہنے والوں کو اپنی باتیں پہنچا کس طرح سکتے ہیں۔ یہاں پر پُرانے پُرانے رہنے والوں سے جب میں نے پوچھا کہ کیا تمہیں سندھی زبان آتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ بڑی بھاری غفلت ہے۔ جس ملک میں کوئی شخص جا کر رہے اُسے چاہیے کہ وہ جلد سے جلد اُس ملک کی زبان سیکھے تا کہ وہ اُس ملک کے رہنے والوں سے تبادلہ خیالات کر سکے۔ اگر وہ اس ملک کے رہنے والوں سے تبادلہ خیالات نہیں کر سکتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اُن پر اپنا اثر نہیں ڈال سکے گا اور دوسرے لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ ان سے نفرت کرتا ہے۔

میں جب انگلینڈ گیا تو اُس زمانہ میں مولوی عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ تھے۔ نیر صاحب مرحوم ایک دن میرے پاس آ گئے اور کہنے لگے حضور! لوگوں پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے کیونکہ آپ نے شلوار پہنی ہوئی ہے اور یہ لوگ آپ کو ننگا خیال کرتے ہیں۔ میں نے کہا پھر کیا ہوا۔ یہ میرا لباس ہے۔ اس میں حرج کیا ہے۔ اگر لوگ مجھے ننگا خیال کرتے ہیں تو کرنے دو۔ نیر صاحب کہنے لگے حضور! اس بات کا ان پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ میں نے کہا سردی کے خیال سے میں چند علیگڑھی فیشن کے گرم پاجامے ساتھ لے آیا تھا اور میری نیت تھی کہ میں یہاں آ کر پہنوں گا لیکن اب وہ بھی نہیں پہنوں گا۔ ایک دن سرڈینی سن راس جو کچھ عرصہ ہندوستان میں بھی رہے ہیں مجھے ملنے کے لیے آئے۔ اُن کے ساتھ ایک اَور پروفیسر بھی تھے۔ میں نے انہیں کہا آپ کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ کو میرا یہ لباس بُرا لگتا ہے؟ وہ تکلف کے طور پر کہنے لگے نہیں یہ لباس تو بڑا اچھا ہے؟ میں نے کہا آپ تکلّف نہ کریں، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ کے ملک کے لوگ واقع میں اِس لباس کو اچھا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرے ملک کے لوگ تو اس لباس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے کہ یہ ہمارے ملک

کا لباس نہیں۔ میں نے کہا آپ جب ہمارے ملک میں رہتے تھے تو کیا آپ ہمارے ملک کا لباس پہنتے تھے؟ ہمارے ملک کا لباس ہیٹ اور پتلون تو نہیں۔ وہ کہنے لگے میں تو وہاں اپنے ملک کا لباس ہی پہنتا تھا۔ میں نے کہا آپ جب ہمارے ملک میں ہمارا ملکی لباس استعمال نہیں کرتے تھے تو اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی وجہ تھی کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ ہم ہندوستان پر حاکم ہیں اس لیے ہندوستانیوں کو ہماری نقل کرنی چاہیے ہمیں اُن کی نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سرڈینی سن راس نے مجبور ہو کر کہا ہاں! بات تو یہی ہے۔ میں نے کہا سرڈینی سن راس! میں تو غلامی کے لیے تیار نہیں۔ اگر آپ ہمارے ملک میں رہتے ہوئے ہمارا لباس نہیں پہنتے تو میں بھی آپ کا لباس پہننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

لیکن زبان لباس سے ایک علیحدہ چیز ہے اور اس کا سیکھنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ اگر آپ لوگ دوسروں سے سندھی زبان میں لین دین نہیں کریں گے اور اسے سیکھنے کی کوشش نہیں کریں گے تو سندھی لوگ یہ سمجھیں گے کہ تم اُن سے نفرت کرتے ہو۔ فرض کرو ایک سندھی دس بارہ سال تک پنجاب میں رہے اور اتنے عرصہ تک وہ ہماری زبان نہ سیکھ سکے تو سب لوگ اس پر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ یہ کم عقل آدمی ہے۔ یہ اتنا لمبا عرصہ ہمارے ہاں رہا اور پھر بھی پنجابی زبان نہ سیکھ سکا۔ لیکن خود ایک پنجابی یہاں آتا ہے اور اتنے عرصہ تک وہ سندھی زبان نہیں سیکھ سکتا۔ ہم تو دس پندرہ دن کے لیے یہاں آتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں اس لیے ہمارے متعلق زبان سیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص مستقل طور پر یہاں رہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اِس علاقہ کی زبان سیکھے اور اِسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ ہمارے مینیجر ہیں، اکاؤنٹنٹ ہیں، منشی ہیں، مزارع ہیں اِن سب کا فرض ہے کہ وہ اِس علاقہ کی زبان سیکھیں۔ اگر وہ اس علاقہ کی زبان نہیں سیکھتے تو وہ اِس علاقہ میں رہنے والوں پر کس طرح اپنا اثر ڈال سکتے ہیں؟ سندھی تمہیں کس طرح اپنا بھائی سمجھنے پر مجبور ہوں گے؟ وہ خیال کریں گے کہ تم اپنے آپ کو ان سے بالا اور حاکم خیال کرتے ہو اور اُن کی زبان سیکھنا ہتک خیال کرتے ہو۔ جب انگریز ہمارے ملک پر حکومت کرتے تھے ہم اُن سے محبت تو نہیں کرتے تھے۔ ہم احمدی تو احمدیت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن باقی ہندوستانی یہ کہتے تھے کہ ہم انہیں مار مار کر باہر نکال دیں

گے۔ یہی حال پنجابی اور سندھی کا ہے۔ جو شخص یہاں رہتا ہے آخر کیا وجہ ہے کہ وہ یہاں رہتے ہوئے اس علاقہ کی زبان نہیں بول سکتا۔ وہ یہاں کی عادات اور رسوم سے واقف نہیں ہے۔ لازماً ایک سندھی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سمجھے کہ ایسا انسان متکبر ہے اور وہ سندھیوں سے نفرت کرتا ہے۔

اس علاقہ کی زبان نہ سیکھنے کی وجہ سے ہمیں یہ دِقّت بھی پیش آ سکتی ہے کہ جب ہم ٹوٹی پھوٹی زبان میں سندھیوں کو تبلیغ کریں گے تو وہ ہماری بات کا اُلٹ مفہوم سمجھیں گے اور اس کا کچھ کا کچھ مطلب لے لیں گے۔ ذوق کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ دہلی کے قلعہ میں گئے۔ وہاں ایک انگریز کرنیل تھا۔ ذوق سے کسی نے کہا کہ یہ کرنیل اردو خوب جانتا ہے۔ ذوق نے کہا کہ یہ اردو نہیں جانتا۔ اس کرنیل سے جب پوچھا گیا کہ آیا آپ اردو جانتے ہیں؟ تو اُس نے جواب دیا میں خوب جانتا ہوں۔ ذوق نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں آپ اس کا مطلب بیان کر دیں۔ وہ شعر یہ تھا

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اس انگریز کرنیل نے کہا اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم لوگ، تم لوگ، میر لوگ سب کو والا[2] (بالوں کی لٹوں کی طرف اشارہ کر کے) میں باندھ کر جیل میں بھیج دیا۔ اسی طرح تم بھی اگر تھوڑی بہت سندھی بول لیتے ہو تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تم نے سندھی زبان سیکھ لی۔ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ تم اس علاقہ کے رہنے والوں کو اردو کی طرف لے آؤ اور اسی میں پاکستان کا بھی فائدہ ہے۔ تم ان پر وعظ و نصیحت کے ذریعہ اردو زبان کی اہمیت واضح کرو۔ مگر تمہارا یہ حق نہیں کہ تم یہاں ہو اور پھر اس علاقہ کی زبان نہ سیکھو۔ پس آپ لوگوں کو چاہیے کہ سندھی زبان اچھی طرح سیکھیں ورنہ معمولی طور پر سندھی زبان سیکھنے اور بولنے سے کچھ نہیں بنے گا اور تم اُسی انگریز کی طرح ہو گے جس نے شعر کا اس طرح ترجمہ کیا تھا کہ ہم لوگ، تم لوگ، میر لوگ سب کو یہ والا میں باندھ کر جیل میں بھیج دیا۔ اس قسم کی زبان سیکھنے سے کیا فائدہ۔

مجھے احمد آباد اسٹیٹ کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ شروع شروع میں جب ہم نے سندھ میں زمین خریدی تو اس میں صدر انجمن کا بھی حصہ تھا اور کچھ چھوٹے چھوٹے حصے ہمارے تھے۔ بعد میں زمین کو تقسیم کر لیا گیا۔ محمود آباد اسٹیٹ میرے حصہ میں آ گئی اور احمد آباد اسٹیٹ صدر انجمن کے پاس

چلی گئی۔ اس زمین میں میرا، میاں بشیر احمد صاحب اور چودھری فتح محمد صاحب کا حصہ تھا۔ ہم جب سندھ آتے تو آنے سے پہلے ہم یہ فیصلہ کر لیتے تھے کہ ہر حصہ دار کا نمائندہ ساتھ آئے۔ میں چونکہ خود حصہ دار تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ صدر انجمن احمدیہ کا نمائندہ میں نہیں ہوسکتا۔ صدر انجمن احمدیہ کا کوئی اَور نمائندہ بھیجنا چاہیے تا کہ وہ اپنے حق کے لیے لڑے۔ چنانچہ اُس سال مولوی عبدالمغنی خان صاحب مرحوم صدر انجمن کی طرف سے بطور نمائندہ آئے۔ بالعموم ہمارا یہ طریق ہوتا تھا کہ صبح کا ناشتہ کر کے دورہ کے لیے چلے جاتے لیکن چونکہ ناشتہ کے بعد دھوپ تیز ہو جاتی تھی اور دورہ اچھی طرح نہیں ہوتا تھا اس لیے ایک دن میں نے فیصلہ کیا کہ ہم نمازِ فجر کے فوراً بعد دورہ کے لیے چلے جائیں گے اور ناشتہ واپس آ کر کر لیں گے۔ چنانچہ میں نماز کے بعد باہر آ گیا۔ باہر ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ میں اُس پر بیٹھ گیا۔ مولوی عبدالمغنی خاں صاحب بھی میرے سامنے ٹہلنے لگ گئے۔ چودھری فتح محمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب دونوں غائب تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک ہاتھ میں لوٹا لیے قضائے حاجت کے لیے جا رہا ہے۔ میں نے مولوی عبدالمغنی خاں صاحب سے کہا کہ وہ تو ابھی قضائے حاجت کے لیے جا رہے ہیں اور پتا نہیں کب آئیں۔ آپ صدر انجمن احمدیہ کے نمائندہ ہیں خود حصہ دار نہیں ہیں لیکن آپ ان سے پہلے آ گئے ہیں۔ یہ تو ''چورنالوں پنڈ کاہلی'' والا معاملہ ہو گیا۔ جس کی پنڈ ہے وہ نہیں آیا اور جس کی پنڈ نہیں وہ پہلے آ گیا ہے۔ مولوی عبدالمغنی خاں صاحب مرحوم کو اُس وقت پنجاب آئے ہوئے بیس سال کے قریب عرصہ ہو گیا تھا لیکن اتنے لمبے عرصہ میں بھی انہوں نے پنجابی زبان پوری طرح نہیں سیکھی تھی۔ میری بات سن کر مولوی صاحب کا رنگ زرد ہو گیا اور انہوں نے سمجھا کہ میں نے انہیں بُرا بھلا کہا ہے۔ میں نے مولوی صاحب کے رنگ سے اندازہ لگا لیا کہ انہوں نے میری بات نہیں سمجھی۔ چنانچہ میں نے ان سے کہا مولوی صاحب! کیا آپ نے اِس فقرہ کا مطلب سمجھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! کچھ کچھ سمجھ گیا ہوں۔ ایک بات تو میں نے یہ سمجھی ہے کہ میں چور ہوں اور دوسری بات یہ کہ میں کالا ہوں۔ اِسی طرح ایک اَور لفظ بھی حضور نے میرے متعلق بولا ہے اور وہ پنڈ ہے مگر اس کے معنے میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا مولوی صاحب! اس کا مفہوم یہ نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ چور نے پنڈ یعنی گٹھڑی لے کر جانا تھا لیکن چور نے جب پنڈ بنا لی اور

باہر جانے لگا تو اُس نے ٹھوکر کھائی اور وہ تو وہیں گر گیا اور گٹھڑی آگے جا پڑی۔ میرے اس محاورہ کے استعمال کرنے سے یہ مطلب تھا کہ جنہیں جلدی آنا چاہیے تھا وہ تو آئے نہیں اور آپ آ گئے ہیں۔ آپ انجمن کے نمائندہ ہیں خود حصہ دار نہیں ہیں لیکن آپ اُن دونوں سے پہلے آ گئے۔ مولوی صاحب نے کہا اچھا! اِس کا یہ مفہوم تھا۔ میں نے تو اس کا یہ مطلب سمجھا تھا کہ آپ نے مجھے چور بھی قرار دیا ہے اور میرے رنگ کے کالے ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ''پنڈ'' کے معنے میں نہیں سمجھ سکا تھا۔

اِسی طرح اگر تم لوگ بھی بغیر سندھی زبان سیکھنے کے اس علاقہ کے رہنے والوں کو تبلیغ کرو گے تو ممکن ہے کہ وہ کچھ اَور مفہوم لے لیں اور تمہاری تبلیغ اکارت چلی جائے۔ پس ان لوگوں کے ساتھ ملو جلو، ان کے ساتھ بیٹھو اور ان کی زبان سیکھو۔ دوسرے ممالک کے لوگ ہمارے ملک میں آتے ہیں اور وہ اردو سیکھ لیتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم یہ زبان نہ سیکھ لو۔ عرب آتا ہے، پٹھان آتا ہے وہ فوراً اُردو سیکھ جاتا ہے۔ بے شک کوئی کوئی نقص رہ بھی جاتا ہے۔ مثلاً کشمیری لوگ مذکّر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکّر بنا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تیری رن آیا، چور گئی، میں آئی۔ اور پٹھان مفرد کو جمع اور جمع کو مفرد بنا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ ''پانی ہے'' کہنا چاہیں تو ''پانی ہیں'' کہتے ہیں۔ اس قسم کی تھوڑی بہت غلطیاں رہ جاتی ہیں لیکن ہم ان کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ پس جہاں تمہارا یہ فرض ہے کہ تم نماز، روزہ اور دوسرے اسلامی احکام کی پابندی کرو وہاں ہر ایک کو اس علاقہ کی زبان سیکھنی چاہیے۔ تم قاعدے اور کتابیں خرید لو اور سندھی زبان سیکھنے کی کوشش کرو تاکہ تم اس علاقہ کے رہنے والوں کو آسانی سے تبلیغ کر سکو اور تا وہ دوری اور بُعد دور ہو جائے جو پنجابی اور سندھی میں پایا جاتا ہے۔ پھر تم جہاں سندھی زبان سیکھنے کی کوشش کرو وہاں یہ بھی کوشش کرو کہ سندھی لوگ اُردو زبان سیکھ جائیں تاکہ وہ سمجھیں کہ تم اُن کے بھائی ہو اور ہم وطن بن کر یہاں رہنا چاہتے ہو اور اُن کا یہ احساس کہ تم اُن سے نفرت کرتے ہو دُور ہو۔ اس کے بغیر تبلیغ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی''۔　(الفضل 2 دسمبر 1959ء)

---

1 : ابن ماجه ابواب الجهاد باب فَضْل الشهادة فی سبیل اللّٰه

2 : والا: کنگن، کڑا۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 2 صفحہ 87 اردو لغت بورڈ کراچی 2007ء)